ایک حیرت انگیز انکشاف

—— رئیس احمد جعفری

قائدِ اعظم نے مسلمانوں کی قومی انفرادیت پر اصرار کیا ان کے جداگانہ "ہوم لینڈ" کا مطالبہ کیا۔ پاکستان کی تحریک چلائی اور پاکستان حاصل کرکے دم لیا لیکن نہ وہ ہندو قوم کے دشمن تھے، نہ ہندوستان کے۔ ہمیں نے خود اُن کی کوٹھی اورنگ زیب روڈ نئی دہلی کے مالی کو دیکھا ہے، اُس سے باتیں کی ہیں اور وہ ہندو تھا۔ ہندوستان کی تقسیم پر ہندوؤں کی ہٹ دھرمی کے باعث وہ اَڑ گئے تھے لیکن کسی معنیٰ میں بھی ہندوستان کے دشمن نہیں تھے۔ اپنی قوم سے محبت کرنے، اس کے حقوق کی نگہداشت کرنے اور اس کے مفاد کے لیے جنگ آزما ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ کسی قوم کے دشمن تھے۔ یہ ساری غلط فہمیاں اس لیے پیدا ہوتی ہیں کہ لوگ اختلاف اور مخالفت کے حدود کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔

قائدِ اعظم کی ہندوستان دوستی بلکہ ہندو دوستی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہندو رہنماؤں کو مطمئن کرنے کے لیے انھوں نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ قیامِ پاکستان کے بعد "منرو ڈاکٹرین" کے اصول پر بھارت سے معاہدہ کرنے کو تیار ہیں۔ جیسا کہ امریکہ اور کناڈا میں ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ دونوں ملک اس بات کے پابند ہیں کہ اگر کسی غیر طاقت نے ان دونوں میں سے کسی پر حملہ کیا تو دوسرا اسے اپنے اُوپر حملہ سمجھے گا اور اُسے رَدّ کرنے میں اپنی پوری طاقت اور جُملہ وسائل و ذرائع صرف کر دے گا۔ اس سے بہتر اور اس سے زیادہ روادارانہ تجویز کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن ہندو سامراج نے اسے منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ گاندھی، جواہر لال، پٹیل اور دوسرے

اکابر سارا زور اس پر صرف کرتے رہے کہ پاکستان نہ بنے، یہ کسی نے نہ سوچا کہ پاکستان کو تسلیم کر لینے کے بعد اخوت اور دوستی کا ایک نیا اور شاندار دور شروع کیا جا سکتا ہے اور وہ اس جبری اور غیر رضا کارانہ اور مصنوعی وحدت سے کہیں زیادہ حقیقی اور مستحکم ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان بنا اور بھارت نے اس کا دستِ صلح جھٹک کر دشمنی، مغائرت اور عناد کا مظاہرہ پہلے ہی دن سے شروع کر دیا۔

اب مسٹر شری پرکاش نے ایک حیرت انگیز انکشاف کیا ہے۔ مسٹر شری پرکاش اہلِ پاکستان کے لیے نامعلوم اور غیر معروف ہستی نہیں ہیں۔ وہ ڈاکٹر بھگوان داس کے فرزند ارجمند ہیں جو اپنے وقت کے مشہور صوفی اور درویش صفت بزرگ تھے۔ ہندو مسلم اتحاد کے پیکر شرافت اور رواداری کے مظہر۔

پاکستان بننے کے بعد مسٹر شری پرکاش بھارت کے پہلے ہائی کمشنر بن کر کراچی تشریف لائے۔ یہاں سے جانے کے بعد وہ بمبئی اور مدراس کے گورنر رہے، چونکہ وہ حقیقت پسند ہندو تھے اس لیے کانگریس ہائی کمان انھیں برداشت نہ کر سکی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیاست سے سبکدوش ہو کر انھیں خانہ نشین ہو جانا پڑا۔

انڈین ایکسپریس میں ان کا ایک مضمون جو خاصا طویل ہے، شائع ہوا ہے، اس کا ذیل کا ٹکڑا خاص طور پر توجہ طلب ہے۔

شری پرکاش نے اپنے مضمون میں لکھا ہے:۔

"میں جب بھارت کے پہلے ہائی کمشنر کی حیثیت سے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل جناح صاحب سے ملا تو میں نے کہا تھا کہ میں پاکستان کو ایک غیر ملک کبھی نہیں سمجھوں گا۔ میں تو دونوں کو ایک ہی ملک اور ایک ہی سرزمین کے دو حصے سمجھتا رہوں گا جناح صاحب کا خیال بھی یہی تھا کہ گو دو نام الگ الگ ہی ہیں، تاہم دونوں ملکوں کے لیے مشترک نام انڈیا ہے، اور دونوں ملکوں کے باشندوں کو انڈین کہا جائے جیسے

ایشیا کے سارے ملکوں کے باشندوں کو ایشین کہا جاتا ہے۔ مگر یہاں (بھارت) والوں نے اس رائے کو قبول نہیں کیا، اور یہی طے کیا کہ انڈیا تو ہمارے ملک کا نام رہے گا، اور اسی کو ہم بھارت بھی کہیں گے۔"

اگر یہ بیان صحیح ہے، اور بہ ظاہر اس کے غلط ہونے کی کوئی وجہ نہیں تو قائد اعظم کی عالی حوصلگی، رواداری، شرافت اور وسیع النظری کا ایک اور بہت بڑا ثبوت خود ایک سربرآوردہ کانگریسی اور بھارتی نے مہیا کر دیا۔

یہ تجویز اگر بھارت کے لیڈر مان لیتے تو یقیناً اس سے آگے چل کر بہت سی غلط فہمیوں کا امکان بھی تھا۔ جو یقیناً پاکستان کے لیے مضرت رساں ہوتیں، اور بھارت ان سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا لیکن قائد اعظم جس طرح مسترد ڈاکٹرین کو اپنانے کے لیے تیار تھے، اسی طرح دونوں ملکوں کیلئے انڈیا کا لفظ اور نام مشترک رکھنے پر بھی آمادہ تھے لیکن جس طرح بھارت کے ناخداؤں نے پہلی تجویز کو ذرا اہمیت نہ دی۔ اس طرح یہ دوسری تجویز بھی ٹھکرا دی اور گزشتہ ۱۸ سال کے تجربہ نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ یہ اچھا ہی ہوا پاکستان کے مصالح اور مفاد کا تقاضا یہی تھا کہ بھارت ان دونوں تجویزوں کو مسترد کر دیتا۔

ہندوستان کی ساری تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ ہندوؤں نے ملک کی غالب ترین اکثریت ہونے کے باوجود ہمیشہ اقلیتوں کے مفاد کو نظر انداز کیا اور ان کے جائز مطالبات کو ٹھکرا دیا۔ اگر ان میں عالی ظرفی ہوتی تو وہ بہت سے مسائل جو آج بھارت کے لیے دردسر بنے ہوئے ہیں پیدا ہی نہ ہوتے، یا اگر پیدا ہوتے تو اتنی خطرناک صورت اختیار نہ کرتے کہ ملک کی سالمیت ہی مخدوش نظر آنے لگتی۔

پاکستان سے لے کر کشمیر تک، ناگالینڈ سے لے کر پنجابی صوبے تک جتنے مسائل بھی پیدا ہوئے وہ درحقیقت خود کانگریس کی کم نظری اور ہندو قوم کی عدم رواداری کا نتیجہ تھے، دنیا کے کسی ملک میں بھی اقلیتوں کو ان رنج فرسا حالات سے دوچار نہیں ہونا پڑا، جو ہندو سامراج

نے اپنے مخصوص اغراض ومقاصد کے ماتحت خود پیدا کر دیئے تھے۔

دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں اقلیت اور اکثریت موجود نہ ہوں، اور ان دونوں میں تصادم نہ ہوتا ہو لیکن وہ تصادم آخر کار کسی خوشگوار مفاہمت پر ختم ہوتا ہے اس لیے کہ اکثریت اپنا وزن اور قوت محسوس کر کے اقلیت کے ساتھ زیادہ رواداری اور عالی حوصلگی کا مظاہرہ کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے، یہ شرف صرف بھارت کو حاصل ہے کہ اس کی عظیم اکثریت اپنی پسماندہ اور آشفتہ حال اقلیتوں کو تباہ و برباد بلکہ فنا کر دینے کے درپئے رہی۔ یہ سلسلہ پہلے بھی جاری تھا اور آج بھی جاری ہے اور جب تک اقلیت کا ایک فرد بھی وہاں موجود ہے جاری رہے گا!